(گذشتہ سے پیوستہ)

تذکرۂ انبیاء

علیہم السلام

از

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مغفور

باب دوم — قصۂ ہابیل و قابیل

فصل ۱ تا ۲

فصل ۱

قرآن کا بیان

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ
بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ
مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ
الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ
اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ
لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ
لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ
اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ
اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ
اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ
فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ
جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهٗ
نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا
يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ
يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ
يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ

اور ذرا انھیں آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ بھی
بےکم و کاست سنا دو۔ جب اُن دونوں نے
قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی
گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی۔ اس نے کہا "میں
تجھے مار ڈالوں گا" اس نے جواب دیا "اللہ
تو متّقیوں ہی کی نذریں قبول کرتا ہے۔ اگر تو
مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو میں
تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا، میں
اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا
ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور
دوزخی بن کر رہے۔ ظالموں کے ظلم کا یہی ٹھیک
بدلہ ہے۔" آخر کار اس کے نفس نے اپنے بھائی
کا قتل اس کے لیے آسان کر دیا اور وہ اسے
مار کر اُن لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھانے
والے ہیں۔ پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین
کھودنے لگا تا کہ اُسے بتائے کہ اپنے بھائی کی لاش
کیسے چھپائے۔ یہ دیکھ کر وہ بولا افسوس مجھ پر!

مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ
سَوْءَةَ اَخِیْهِ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ
النّٰدِمِیْنَ ۝

(المائدہ ۵ - آیات ۲۷ تا ۳۱)

میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے
بھائی کی لاش چھپانے کی تدبیر نکال لیتا۔
اس کے بعد وہ اپنے کیے پر بہت
پچھتایا۔

فصل ۲

توضیحات

قربانی کے عدمِ قبولیت کی وجہ

"قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ" یعنی تیری قربانی اگر قبول نہیں ہوئی تو یہ میرے[1] کسی قصور کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ تجھ میں تقویٰ نہیں ہے، لہٰذا میری جان لینے کے بجائے تجھ کو اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

مقابلۂ ظلم کے لیے ظالمانہ اقدام سے اجتناب

"مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ" اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے آئے گا تو میں ہاتھ باندھ کر تیرے سامنے قتل ہونے کے لیے بیٹھ جاؤں گا اور مدافعت نہ کروں گا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو میرے قتل کے درپے ہوتا ہے تو ہو، میں تیرے قتل کے درپے نہ ہوں گا۔ تو میرے قتل کی تدبیر میں لگنا چاہے تو تجھے اختیار ہے، لیکن میں یہ جاننے کے بعد بھی کہ تو میرے قتل کی تیاریاں کر رہا ہے، یہ کوشش نہ کروں گا کہ پہلے میں ہی تجھے مار ڈالوں۔

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ کسی شخص کا اپنے آپ کو خود قاتل کے آگے پیش کر دینا اور ظالمانہ حملہ کی مدافعت نہ کرنا کوئی نیکی نہیں۔ البتہ نیکی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص میرے قتل کے درپے ہو اور میں جانتا ہوں کہ وہ میری گھات میں لگا ہوا ہے تب بھی میں اس کے قتل کی فکر نہ کروں اور اسی بات کو ترجیح دوں کہ ظالمانہ اقدام اس کی طرف سے ہو نہ کہ میری طرف سے۔ یہی مطلب تھا اس بات کا جو آدم علیہ السلام کے اس نیک بیٹے نے کہی۔

---

[1] قرآن کے بیان سے یہ بات ثابت ہے کہ قربانی دورِ آدم علیہ السلام سے خدا کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ تھی۔ (مرتبین)

دوگونہ گناہ کی ذمہ داری قابیل پر

"اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓءَ بِاِثۡمِیۡ وَاِثۡمِکَ" یعنی بجائے اس کے کہ ایک دوسرے کے قتل کی سعی میں ہم دونوں گنہگار ہوں، میں اس کو زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ دونوں کا گناہ تنہا تیرے ہی حصے میں آجائے، تیرے اپنے قاتلانہ اقدام کا گناہ بھی، اور اس نقصان کا گناہ بھی جو اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے ہوئے میرے ہاتھ سے تجھے پہنچ جائے۔

کوّے کے ذریعے قابیل کو اس کی جہالت پر انتباہ

"فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا یَّبۡحَثُ فِی الۡاَرۡضِ" اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کے ذریعے سے آدمؑ کے اس غلط کار بیٹے کو اس کی جہالت و نادانی پر متنبہ کیا۔ اور جب ایک مرتبہ اس کو اپنے نفس کی طرف توجہ کرنے کا موقع مل گیا تو اس کی ندامت صرف اسی بات تک محدود نہ رہی کہ وہ لاش چھپانے کی تدبیر نکالنے میں کوّے سے پیچھے کیوں رہ گیا، بلکہ اس کو یہ بھی احساس ہونے لگا کہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر کے کتنی بڑی جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ بعد کا فقرہ کہ وہ اپنے کیے پر پچھتایا، اسی مطلب پر دلالت کرتا ہے۔

قصے میں مدینہ کے یہودیوں کی سازشوں پر ملامت

یہاں اس واقعہ کا ذکر کرنے سے مقصد یہودیوں کو ان کی اس سازش پر لطیف طریقے سے ملامت کرنا ہے جو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جلیل القدر صحابہؓ کو قتل کرنے کے لیے کی تھی۔ دونوں واقعات میں مماثلت بالکل واضح ہے۔ یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے عرب کے اِن اُمیّوں کو قبولیت کا درجہ عطا فرمایا اور اُن پرانے اہل کتاب کو رد کر دیا، سراسر اس بنیاد پر تھی کہ ایک طرف تقویٰ تھا اور دوسری طرف تقویٰ نہ تھا۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ لوگ جنھیں رد کیا گیا تھا، اپنے مردود ہونے کی وجہ پر غور کرتے اور اس قصور کی تلافی کرنے پر مائل ہوتے جس کی وجہ سے رد کیے گئے تھے، ان پر ٹھیک اُسی جاہلیت کا دورہ پڑ گیا جس میں آدمؑ کا وہ غلط کار بیٹا مبتلا ہوا تھا۔ اور اُسی کی طرح وہ ان لوگوں کے قتل پر آمادہ ہو گئے جنھیں خدا نے مقبولیت عطا فرمائی تھی۔ حالانکہ ظاہر تھا کہ ایسی جاہلانہ حرکتوں سے وہ خدا کے مقبول نہ ہو سکتے تھے، بلکہ یہ کرتوت انھیں اور زیادہ مردود بنا دینے والے تھے۔

بنی اسرائیل کو قتل سے پرہیز کی خصوصی تاکید

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰی	اسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ	دیا تھا کہ جس نے کسی انسان کو خون کے
بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ	بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی
فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ	اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں
اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ	کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس
جَمِيْعًا ۭ (المائدہ - آیت ۳۲)	نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔

یعنی چونکہ بنی اسرائیل کے اندر انہی صفات کے آثار پائے جاتے تھے جن کا اظہار آدمؑ کے اس بیٹے نے کیا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل نفس سے باز رہنے کی سخت تاکید کی تھی[1] اور اپنے فرمان میں یہ الفاظ لکھے تھے۔ افسوس ہے کہ آج جو بائیبل پائی جاتی ہے وہ فرمان خداوندی کے ان قیمتی الفاظ سے خالی ہے۔ البتہ تلمود میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے "جس نے اسرائیل کی ایک جان کو ہلاک کیا، کتاب اللہ کی نگاہ میں اس نے گویا ساری دنیا کو ہلاک کیا، اور جس نے اسرائیل کی ایک جان کو محفوظ رکھا، کتاب اللہ کے نزدیک اس نے گویا ساری دنیا کی حفاظت کی" اسی طرح تلمود میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ قتل کے مقدمات میں بنی اسرائیل کے قاضی گواہوں کو خطاب کر کے کہا کرتے تھے کہ "جو شخص ایک انسان کی جان ہلاک کرتا ہے وہ ایسی بازپرس کا مستحق ہے کہ گویا اس نے دنیا بھر کے انسانوں کو قتل کیا ہے"۔

انسانی جان کے احترام کا اصول

"مَنْ قَتَلَ نَفْسًا .... الخ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں نوع انسانی کی زندگی کا بقا منحصر ہے

---

[1] کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ حرمت قتل کا حکم بنی اسرائیل ہی کو دیا گیا تھا اور اس سے پہلے کسی قوم کے لیے شریعت الٰہیہ نے قتل کو جرم قرار نہیں دیا تھا۔ یہ بات تو خود قصۂ ہابیل و قابیل میں آگئی ہے کہ ہابیل اپنے بھائی کو سمجھاتے ہوئے قتل کے گناہ کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اولین پیغمبر آدم علیہ السلام کے ذریعے قتل کے گناہ ہونے کی تعلیم دی جا چکی۔ یہاں بنی اسرائیل کے متعلق ایک مخصوص سلسلۂ بیان میں جو ذکر ہوا ہے اس کا منشا یہ ہے کہ یہ قوم جو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے پر اسے اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنے کی سازشیں کر رہی ہے اسے تو خاص طور پر قتل سے باز رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ (مرتبین)

اس پر کہ انسان کے دل میں دوسرے انسان کی جان کا احترام موجود ہو اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کے بقا و تحفظ میں مددگار بننے کا جذبہ رکھتا ہو۔ جو شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے وہ صرف ایک ہی فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیاتِ انسانی کے احترام سے اور ہمدردیِ نوع کے جذبہ سے خالی ہے، لہٰذا وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے، کیونکہ اس کے اندر وہ صفت پائی جاتی ہے جو اگر تمام افرادِ انسانی میں پائی جائے تو پوری نوع کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کے برعکس جو شخص انسان کی زندگی کے قیام میں مدد کرتا ہے وہ درحقیقت انسانیت کا حامی ہے، کیونکہ اس میں وہ صفت پائی جاتی ہے جس پر انسانیت کے بقاء کا انحصار ہے۔

(باقی)